UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

شاہ ولی اللہ اور نسبتِ تصوف

Shāh Walī Ūllā'h and Disciplines of Mysticism

Dr. Ḥussain Aḥmad
Chairman, Deptment of Islāmic Studies & Research, University of Science & Technology, Bannū, Pakistan
Email: dr.husmuhammad@gmail.com
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

Abstract:

Shāh Walī Ūllā'h of Delhī (1703-1762) was an outstanding Scholar of Qur'ān and Sunna'h. His multi-dimensional work placed him among the high rank of intellectual mystic philosophers of Islām in south Asia in the eighteenth century. His work is volumnous, widely acknowledged among the Muslims globally. He made a deep analysis of the varrious components of Islām and presented the whole Islāmic teachings in their true shape. As a reformer, he portrayed a true picture of Mysticism. He believed that Islām was a dominant and divinely designed religion envisaging both political and intellectual domains. The scientific interpretation of Islām no doubt rests with the Muslim scholars who harmonize it with the demands of the time through research and deep study of the tenets of this belief keeping in view the challenges faced by humanity. Islām has two vital aspects-the exoteric side which concers the outward action and the esoteric aspect involving the purification of heart through good deeds (Iḥsān). Shah Walī Ūllā'h concentrated on the later aspect and explained how the inner side of a human being can be purified? According to him the temperament of a person varies with gender, age, the food eaten and the region of the earth where he lives, so there is nothing like absolute balance of temperament that might exist, but it is possible that a perfect or balanced example might be observed in the lives of the holy propehts who have been declared as pefect examples of good temperament and urged upon the Muslims to copy them. We find that Shah Walī Ūllā'h has based his spiritual philosophy on the message contained in his major LATHAIFS (books). It is worth noting here that Nisbath i.e. devotion to Allā'h occupies a vital position in his mysthetic philosophy. His book named "Ham,āt" meaning a few drop of wisdom- encompasses the whole content of his message. This article probes the essance of Nisba'h in Shah Walī Ūllā'h's view.

Keywords: *India,Tasaëf, Lathéêf, Exoteric, Esoteric, Mysthetic*

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی صفات بیان کرتے ہوئے "**وَ عبادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْناً**[1]" کا اسلوب اختیار کیا ہے، عباد کی نسبت صفتِ اسماءِ الٰہیہ میں سے رحمٰن کی طرف ایک معنی رکھتی ہے، یہ نسبت کیا ہے؟ شاہ ولی اللہ انتساب کی کونسی اقسام بیان کرتے ہیں؟ اس انتقادی جائزہ میں اس حوالہ سے بحث کی گئی ہے۔

نسبت تعلق مع اللہ کا نام ہے، یہ دراصل وہ کیفیت ہے، جو سالک کے نفس میں اس قدر جاگزیں ہو جاتی ہے، گویا وہ اس کی ذات کے لئے لازمی خصوصیت بن گئی ہو، صوفیاء کے متنوع طُرق قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، مجددیہ[2] کا آخری نتیجہ حصولِ نسبت ہے، نسبت اطمینان، سکینت اور احکامِ الٰہی کی پیروی کی اساس پر اللہ عزّوجل کے ساتھ ربط و تعلق استوار کرنے کا نام ہے، نسبت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے، ولی اللّٰہی فلسفہ کے امین عبید اللہ سندھی کا بیان ہے۔

> "تصوف کا ادق ترین مسئلہ حادث کا خالق سے تعلق کا ہے، اس معمہ کا حل "نسبت" ہے، یہ ملائکہ سے مشابہت (**تشبه باالملئكة**)**یا تطلع الی الجبروت** سے عبارت عمل ہے"۔[3]

باالفاظ دیگر، نسبت تجلیٔ رب ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے، وہ مزید لکھتے ہیں۔

> تجلی اِلٰہی مخلوق چیز ہے مگر وہ خالق کا آیئنہ بن جاتی ہے کہ دیکھنے سے آیئنہ تو رفتہ رفتہ گم ہو جاتا ہے اور خالق ہی خالق نظر آنے لگ جاتا ہے، اس میں مخلوق سے ایک طرف تو واجب الوجود کا من وجہ عینیت کی نسبت استوار ہو جاتی ہے، یعنی اس تجلی سے تعلق رکھنے پر کہا جاسکتا ہے، ہم اللہ تک پہنچ گئے اور دوسری طرف تجلی اپنے مظہر کی رنگ میں اس طرح رنگین ہو جاتی ہے کہ انسانی عقل و حواس باطنہ کا بطن اسے تعلق پیدا کر سکتا ہے، اس کے بعد یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، یا اُس کی بات سُنی۔ اگر تجلی کی عبادت ہو تو بُت پرستی نہیں اور اگر مظہر کی پوجا ہو تو شرک فی اللہ ہے۔[4]

شاہ ولی اللہ کو متنوع سلاسل میں اعلیٰ درجہ کی نسبت حاصل تھی، خود شاہ صاحب کا بیان ہے۔

> میں نے باطنی طور پر عالمِ ارواح کی طرف توجہ کی اور تصوف کے ہر طریقے کی جدا جدا نسبت کا ادراک کیا۔ یہ نسبتیں کیسے حاصل ہوئیں؟ یہ پیہم مجاہدہ طلب اُمور ہیں، میں نے یہ چیز بذریعہ الہام معلوم کیا[5].

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

ولی اللہؒ نسبت کے حصول کے سلسلے میں جو حکمت عملی تجویز کرتے ہیں اور جن اوراد و وظائف کی نشاندہی کرتے ہیں، اس کی تفصیل ان کی نظر میں یہ ہے۔

نسبتوں کے حوالہ سے یہ ملحوظ رکھنا مناسب ہے کہ نسبتیں آپس میں مختلط ہیں، جس شخص میں نسبتِ عشق پیدا ہو جاتی ہے تو اس میں نسبتِ طہارت بھی حاصل ہوتی ہے، یہ شخص اِسے عنایت الٰہیہ قرار دیتا ہے، پھر نسبتِ طہارت سے لازماً ملائکہ سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، کچھ نسبتیں انتسابی ہوتی ہیں جب کہ بعض نسبتیں جو ایک صفت لازم کے طور پر معلوم پذیر ہو جاتی ہے وہ عطیۂ الٰہی کے طور پر یاد کی جاسکتی ہے، یعنی طبعی و فطری کہلائی جاسکتی ہیں) اور کچھ خارجی جو پیہم مجاہدہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ (متنوع نسبتیں ہیں، تاہم ان میں اہم نسبِ ثمانیہ یعنی (۱) نسبت انوار طہارت، (۲) نسبتِ سکینہ، (۳) نسبتِ اویسیہ، (۴) نسبتِ یاداشت، (۵) نسبتِ توحید (۶) نسبتِ عشق، (۷) نسبتِ وجد (۸) نسبتِ طریقہ ولی اللّٰہی ہیں، ان نسب کے بارے میں قدرے تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

(۱) نسبتِ انوارِ طہارت:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ غسل کرنے، وضو کرنے سے بدن میں پاکی آتی ہے، طہارت سے طبیعت میں سرور محسوس ہونے لگتا ہے، یہ دراصل طبعی قویٰ کا نتیجہ نہیں ہوتا، یہ دروں اصل نفس کی مَلَکی قوت کا پرتَو ہوتا ہے، طہارت کے عمل دہرانے سے نفس اس کیفیت کو بطور ملکہ اپنالیتا ہے، یہ کیفیت اس شخص کے لئے مستقل خصوصیت بن جاتی ہے، اس کے برعکس ناپاکی کی حالت میں اس شخص کو انقباض اور وحشت ہوتی ہے۔ نسبتِ طہارت حاصل ہونے کے ساتھ حقیقتِ ملائکہ اور ان سے اُنس و سرور کی طرف ایک وسیع راہ کُھلتی ہے، اس نسبت کی وجہ سے صوفی راحت کا دریائے بے کراں محسوس کر رہا ہوتا ہے، اس شخص پر ملائکہ کی طرح الہام ہوتا ہے اور ملائکہ کو بذریعہ الہام ہدایت کی جاتی ہے کہ تدبیرِ الٰہی کے مطابق اس کی بہبود میں شامل ہو، مرنے کے بعد یہ ملائکہ میں شمار ہوتا ہے، نسبتِ طہارت کی علامت یہ ہے کہ وہ انوارات کا مشاہدہ کرتا ہے اور لذت و کیف کے احوال اپنے اندر پاتا ہے۔[6]

(۲) نسبتِ سکینہ:

شاہ صاحبؒ اسے نورِ اطاعت کا نام بھی دیتے ہیں، اس کے تین شعبہ ہیں: (۱) حلاوتِ مناجات (۲) شمولِ رحمت (۳) انوارِ اسماءِ الٰہی، پہلے شعبہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب انسان عبادت کی شکل میں اللہ کو یاد کرتا ہے تو سالک کی توجہ نماز، دُعا اور ان میں پوشیدہ حکمتوں اور ذاتِ الٰہی کی طرف مرکوز ہو جاتی ہے اور وہ غائب سے شناسائی حاصل کرلیتا ہے، غیب کا یہ مَلَکہ جوہرِ روح میں داخل ہو جاتا ہے۔ غیب کی طرف سالک کی توجہ ایک اجمالی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے اسے حلاوتِ مناجات نصیب ہو جاتا ہے، ذکر و دعا، توبہ و استغفار میں سالک قرار و استحکام پاتا ہے، اس طرح

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

وہ گویا فطری تقاضا پورا کر رہا ہوتا ہے، اس کی حالت اس عاشق کی سی ہو جاتی ہے، جو اپنے محبوب سے جدا ہونا ایک لمحہ کے لئے بھی قبول نہیں کر سکتا۔

توجہ غیب کی کیفیت حاصل کرنے کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ سالک صبح شام کے اذکار، صحیح رکوع و سجود سے آخرت کی بہبود کے لئے الحاح واصرار سے دعائیں مانگے، اس کیفیت کو حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ حدیثِ قُدسی "**قُسمتِ الصَّلٰوۃُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ**"[7] کو ملحوظ رکھے اویقین رکھے کہ خدائے رب العزت بندے کی معروضات کو سنتا ہے اور اجابت کرتا ہے جو شخص توجہ غیب کی اس کیفیت کو حاصل کرنا چاہتا ہے، اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ طویل سجدے کرے، دعا و استغفار میں اصرار والحاح کرے اور کثرت سے ذکر واذکار کرے۔ قرآن حکیم اس حقیقت کو **اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب** [8] کے اسلوب میں بیان کرتا ہے۔

نسبتِ سکینہ کا دوسرا شعبہ شمولِ رحمت کا ہے، جب نفسِ ناطقہ میں جبلی طور پر نیز کوشش وہمت سے ملائکہ کے الہام قبول کر سکنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، نفس کی صلاحیتیں کمال کو پہنچ جاتی ہیں، بہیمی قوت کے شعلے بُجھ جاتے ہیں اور ملکوتی صفات غالب آنے لگتی ہیں، ایسے افراد کے سامنے ایک دریا بے کراں ظہور پذیر ہوتا ہے وہ جتنا زیادہ پیتا ہے, اتنا ہی اُن کے پیاس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، ذاکرین کی جماعت جب محوِ عبادت ہوتی ہیں تو ملائکہ کی طرف ان پر برکات نازل ہوتی ہیں، یہ برکات نسیمِ معطر کی طرح ان کے نفوس کا احاطہ کر لیتی ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ شمولِ رحمت کے حوالہ سے "نہمعات" میں لکھتے ہیں:

> "جب کوئی شخص یا جماعت ذکر میں مشغول رہتی ہیں اور پوری رعایات کے ساتھ وہ ذکر کا اہتمام کرتی ہے تو اسمِ مبارک کی صُور (صورت کی جمع) شعلۂ نور کے مانند ان ملائکہ کے نفوس میں نقش ہو جاتی ہے، جو ذکر پر مؤکل ہیں، جب وہ شخص یا جماعت بکثرت ذکر میں محو رہتی ہے، تو اس اسم مبارک کی یہ صورت ان فرشتوں سے اوپر جو اَور فرشتے ہیں، ان کے نفوس میں نقش ہو جاتی ہے، اس طرح یہ صورت ترقی کرتے کرتے حظیرۃ القُدس کے مقام میں پہنچ جاتی ہے، وہاں سے یہ صورت تجلی الٰہی کی صورت میں جاگزیں ہو جاتی ہے، جو شخص اکبر یعنی کائنات کیلئے بمنزلۂ دل ہے"۔[9].

اور یہ جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فرشتہ جب اسے اوپر لے کر جاتا ہے، تو رحمن کا چہرہ اسے شرماتا

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

ہے، یہی مفہوم مراد ہے۔[10] نسبتِ شمولِ رحمت کے ضمن میں شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ جوں جوں انسان ان اعمال واذکار کو بجالاتا ہے تو اس کا نفس بتدریج شمولِ رحمت کے رنگ کو قبول کرتا ہے، یہاں تک کہ یہ رنگ اس کے لئے مستقل ملَکہ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، "حدیثِ قُرب" کی شاہ صاحب اس حوالہ یہ تعبیر پیش کرتے ہیں، وہ قُرب مجھے سب سے عزیز ہے، جو کسی بندے نے فرائض کو انجام دینے سے حاصل کیا ہو، نیز میرا بندہ نوافل سے برابر میرا قُرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں، جن سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں، جن سے وہ چلتا ہے[11]۔ شمولِ رحمت کی یہ صفت فرائض کی ادائیگی میں قدرے آسانی سے حاصل کیا جاسکتا ہے، کثرتِ نوافل ادا کرنے سے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور ملائکہ کے نور کے توسط سے اس شخص کی روح میں داخل ہوتا ہے، اس طرح اس شخص کی روح کو گھیر لیتا ہے، اس لئے کہ روح کا تمام تر قیام وانحصار اس نور پر ہوتا ہے، یہی منوّر روح اس شخص کی دعاؤں کے قبول ہونے کا سبب بنتا ہے، ذاکرین کے لئے برائیوں سے بچنے اور اچھائیوں پر عمل کے مواقع اس مخصوص روحی تعلق کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔

باالفاظ دیگر شاہ ولی اللہؒ کے تصوفانہ فلسفہ میں قُربِ الٰہی کا بڑا ذریعہ شریعت کی پیروی ہے، شریعت انسانی اعماق میں جاگزیں ہو جائے اور طبیعت ثانیہ بن جائے تو طریقت کہلاتی ہے، جبکہ احکام پر ظاہری طور پر عمل شریعت کہلاتی ہے۔ گویا ولی اللّٰہی فلسفہ میں شریعت و طریقت کا قصہ ہی ختم ہو جاتا ہے، شریعت کے پیروی کے نتیجہ میں تیسرا شعبہ اسماء الٰہیہ کے انوار میں نفس کا رنگا جانا ہے۔ شاہ ولی اللہ اس حقیقت پر یوں تبصیرہ کرتے ہیں۔

اسماءِ الٰہیہ خواہ وہ اسماء بسیطہ ہوں، جیسے اللہ، رحمٰن، رحیم، کریم یا وہ اسماءِ مرکبہ ہوں جیسے آیت الکرسی، سورۃ الاخلاص یا سورۃ الحشر کی آخری آیات، بہر حال جو بھی ہیں، اللہ تعالیٰ کے بسیط و مرکب اسماء عالمِ مثال میں اپنی مستقل صورتوں کی شکل میں قائم ہیں۔[12] شاہ صاحبؒ "ہمعات" میں لکھتے ہیں:

> "جب میں نے ان کی مثالی صورتوں کو بنظرِ عمیق دیکھا تو مجھ پر یہ حقیقت اشکارہ ہوئی کہ اسماءِ الٰہیہ کی ان صورتوں کی روح ان اسماء کی اپنی ذاتی اور صفاتی صفات ہیں، ذاتی صفات جیسے اللہ، رحمٰن، رحیم اور اضافی صفات جیسے رزاق، قہار وغیرہ، مزید یہ کہ عالَمِ مثال میں اسماءِ الٰہیہ سر تا سر نور ہی نور ہے"۔[13]

ان اسماءِ الٰہیہ کا فلسفہ یہ ہے کہ جب مردِ مؤمن سچی نیت اور پوری توجہ کے ساتھ ذکر کرتا ہے اور اس کا دل ان اسماء کو اپنے اندر محفوظ کرنے کی جدوجہد کرتا ہے، تو اس شخص کے باطن کی طرف اسماءِ الٰہی کی ان مثالی

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

صورتوں سے ایک دروازہ کھلتا ہے، جس سے اس کے دل پر نور اور ٹھنڈک کا نزول ہوتا ہے اور وہ اس کیفیت میں لذّت محسوس کرتا ہے، جب اس کو ان اسماءِ الٰہیہ کے ذکر میں لذّت ملتی ہے تو وہ اور تن دَہی اور ہمت سے ذکر کرنے لگ جاتا ہے، چنانچہ جس قدر وہ ذکر میں اضافہ کرتا ہے، اس قدر فیوض وانوار میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، نسبت سکینہ کے انوارِ الٰہیہ کے اس تیسرے شعبہ کے حصول کا طریقہ یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ اسم ''للہ'' کا ذکر کیا جائے، ضروری ہے کہ ذِکر کرتے وقت اس کا دل اِدھر اُدھر کے پریشان کن خیالات سے خالی ہو، وضو اور طہارت کے بعد ایک ہزار بار اسم ''للہ'' کا ذکر کرنے کے بعد درود پڑھے، ذکر کرتے وقت لفظ ''للہ'' کی تشدید پر زور دے، اس لفظ کی صحیح ادئیگی کے ساتھ تھوڑی دیر کے بعد دورانِ ذکر اس نور کا تصور کیا جائے، جو فضاء میں پھیلا ہوا ہے۔ ایک ہزار بار اسم ''للہ'' کا ذکر کرنے سے نور سے اس کا اتصال ہو جاتا ہے، اس کے بعد یہ حالت ہو گی کہ اگر یہ شخص تحمید، تسبیح، تہلیل، تکبیر، استغفار اور لاحول ولا قوۃ پڑھنے کی طرف ذرہ توجہ کرے گا تو وہ نور ان صفات کے رنگ میں جس کی طرف تسبیح وتحمید وغیرہ کے کلمات اشارہ کرتے ہیں، متشکل ہو کر اسے نظر آنے لگ جائیں گے اور اس کے آثار بھی جہانِ نفس و آفاق میں ظاہر ہونے لگتے ہیں، شاہ صاحبؒ نماز کا بنیادی فلسفہ اسی حلاوت کا حصول قرار دیتے ہیں، البتہ جن کو یہ حلاوت ونسبت حاصل نہیں ہوتی وہ الٰہی حکم بجالانے والا ہوتا ہے، شاہ صاحب نماز میں اسی تاثیر کی اہمیت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

ہمارے زمانے کے بعض جاہل صوفیاء یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ نماز میں کمالِ خشوع وخضوع نہیں ہوتا، اس لئے نماز سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، ان لوگوں کی باتیں محض از قسمِ ظن ہیں اور ان کا نماز کو بے فائدہ سمجھنا اس لئے ہے کہ یہ لوگ حلاوتِ ذکر کی نسبت سے واقف نہیں۔[14]

حلاوتِ مناجات، شمولِ رحمت اور انوارِ اسماءِ الٰہی یہ تینوں شعبہ جات طاعات کے ذیل میں آتے ہیں اور ان سہ گاہ نسبتوں کا حصول طاعات کا مقصد ہوتا ہے، بعض طاعات ایسی ہیں، جن میں حلاوتِ مناجات زیادہ، بعض میں شمولِ رحمت اور بعض میں انوارِ اسماءِ الٰہیہ زیادہ ہیں۔ ہمعات میں شاہ صاحب بڑی تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں:

حصولِ نسبت ایک مناسب عمل ہے، آخرت کی زندگی کی کامیابی بالواسطہ یابلاواسطہ نسبتوں کی بنیاد پر ہو گی۔ اس ضمن میں مجھے اس شخص کی حالت پر تعجب ہوتا ہے جو سکینہ کی اس نسبت کی طرف قطعاً التفات نہ کرتا ہو بلکہ اس کے برعکس وہ سمجھتا ہے کہ اس نسبت کی وجہ سے اس کے کاروبار میں خلل پڑتا ہے، چنانچہ اشخاص کا حالی یا قولی طور پر یہ کہنا کہ اس علمی نسبت سے اس کے خیالات میں تشویش پیدا ہوتی ہے، بالکل غلط ہے، ایسے اشخاص نہیں جانتے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام اوران کے بعد تابعین کی زندگی میں یہی نسبت سب سے روشن تھی۔

(۳) نسبتِ اویسیہ:

اس نسبت کو مندرجہ بالا دو نسبتوں یعنی نسبتِ طہارت اور نسبتِ سکینہ کے درمیانی برزخ کی حیثیت

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

حاصل ہے، اس نسبت کی تفصیل یہ ہے کہ انسان میں ایک نفس ناطقہ ہے جو ایک آئینہ کی طرح ہے، جس میں انسان کی روحانی کیفیتوں کا عکس نظر آتا ہے، قدرت نے انسان کی روحانی و جسمانی کیفیات و احوال میں بہت سے استعداد رکھی ہے، یہ استعدادیں باہمی طور پر مختلف بالکل متضاد ہیں، روحانی کیفیات میں سے ایک کیفیت یہ ہے کہ سالکینِ راہِ طریقت جب عالَمِ ناسوت کی پستی سے نکل کر عالمِ ملکوت کی بلندی پر فائز ہوتے ہیں اور خسیس و ناپاک اُمور سے کلیۃً انکار کرتے ہیں تو اس حالت میں وہ لطیف اور خوشگوار کیفیات سے اس طرح سرشار ہوتے ہیں گویا ان کی حالت ایک مشکیزہ کی سی ہے جس میں ہوا بھر دی گئی ہو، پانی میں تیر رہے ہیں وہ کسی طرح تہہ آب نہیں ہوتی، اس کیفیت کے حاصل ہونے کے ساتھ سالکین کے دلوں پر آسمانی مخلوق سے تعلق کے نتیجہ میں اُنس و سرور، انشراحِ قلبی، عالمِ غیب کی طرف جذب و توجہ جیسے وابستہ اُمور منکشف ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

کبھی خاص بزرگ کا تاثر قبول کر لیتا ہے تو وہی خاص بزرگ یا ان سے منسوب خاص شخصیت خواب میں دیکھتا ہے اور سالک اس طور پر اپنی مشکل کا حال سمجھتا ہے۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

یہ فقیر جب عالمِ اروح کی طرف متوجہ ہوا تو عالمِ ارواح میں ملاء اعلیٰ کا طبقہ پایا، ان میں عالی مرتبہ اور کائنات کا انتظام کرنے والے فرشتوں مثلاً جبرائیل، میکائیل کو پایا، بعض انسانی نفوس کو پایا کہ وہ ان کُبار مخلوق سے ملحق ہیں اور سر تا سر ان کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

جب کسی سالک کو اس طبقے کے ساتھ نسبتِ اویسی حاصل ہو تو اس کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ سالک کے لوحِ دِل پر ذاتِ باری تعالیٰ کی صورتِ علمی اس طرح منقش ہو جاتی ہے کہ کائنات کے انتظام کے حوالہ سے قدرتِ الٰہیہ کے چار کلمات یعنی ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی[14] ایک ہی بار اس صورتِ علمی کے ضمن میں اس کے دل پر ظاہر ہو جاتے ہیں اور سالک کو قدرتِ الٰہی کے ان چار کمالات کا علم بغیر کسی ارادے اور قصد و غور و فکر سے کام لئے حاصل ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نظامِ عالم کے متعلق جو کلی تدبیریں اور عمومی فیصلے حظیرۃ القُدس میں طے ہوتے ہیں، نسبتِ اویسی کی تاثیر سے یہ خود بخود سالک کے دل پر نقش ہو جاتے ہیں، یہ نسبت بیشتر انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے، جو علوم و معارف انبیاء علیہم السلام سے ظاہر ہوتے ہیں، اکثر اسی نسبتِ اویسی کے سرچشمہ سے پھوٹتے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ:

> میں نے عالمِ ارواح میں ایک دوسرا طبقہ ملاء سافل دیکھا، جس شخص کو اس طبقہ سے نسبتِ اویسی حاصل ہو، اس کی علامت یہ ہے کہ اسے خواب اور بیداری

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

دونوں حالتوں میں فرشتے نظر آتے ہیں، فرشتوں کو تفویض کردہ کام کی تکمیل کرکے دکھائی دیتے ہیں۔(16)

عالم ارواح کا تیسرا طبقہ مشائخ و صوفیاء کی ارواح کا ہے، یہ ارواح خواہ مجموعی طور پر یکجا ہوں یا فرداً فرداً الگ الگ ہوں، جس شخص کو اس طبقہ سے نسبتِ اویسی حاصل ہو جاتی ہے، انہیں ان ارواح سے عشق ہو جاتی ہے اور فنافی الشیخ ہو جاتے ہیں۔ فناءفی الشیخ کی کیفیت اس کی زندگی کے ہر ہر پہلو میں مؤثر ہوتی ہے، جیسے درخت کی جڑوں میں پانی دیا جاتا ہے تو اس پانی کا اثر تازگی کی صورت میں درخت کی ہر شاخ، ہر پتے اور اس کے پھولوں اور پھل تک میں سرایت کر جاتا ہے، اس نسبت کے آثار ایک جیسے نہیں ہوتے، مختلف افراد پر مختلف احوال وارد ہوتے ہیں۔ فناءفی الشیخ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سلسلہ سے منسوب ہر شئ سے محبت ہوتی ہے۔

نسبت اویسی کی وجہ سے ارواح میں خاص ربط و تعلق پیدا ہو جاتا ہے، جاگنے سونے میں اس کے آثار محسوس ہونے لگ جاتے ہیں۔ سالک پر اس مقام میں عجیب کیفیات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

ابتداءً پاک روحوں کی کثرت تھی، فضاء ان سے بھری ہوئی تھی، با استعداد اشخاص ان روحوں کے توسط سے ملائکہ مقربین سے مانوس ہو جاتے تھے، ان کے لئے نبوت اور حکمت کے علوم مترشح ہوتے، پھر انقطاعِ نبوت کے بعد عالمِ دنیا کی تدبیر کے لئے محدّث اور حکیم کی صورت میں ظہور پذیر ہوئے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

> آنحضرت ﷺ کی اُمت میں جس شخص نے سب سے پہلے جذب کا دروازہ کھولا اور اس راہ پر سب سے پہلے جو گامزن ہوئے وہ خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہیں، صوفیاء کے تمام سلسلے ان کی طرف منسوب ہیں مگر اِن سلسلوں کا تعلق روایۃً وسنداً حضرت علیؓ سے ثابت نہیں، یہ بھی معلوم نہیں کہ آخر حضرت حسن بصریؒ کے ساتھ حضرت علیؓ کا کونسا خصوصی تعلق تھا جو آپ کا دوسروں کے ساتھ نہ تھا، اس کے باوجود نسلاً بعد نسلٍ یہ اتفاق چلا آرہا ہے کہ طریقت کے سارے سلسلے حضرت علیؓ کی طرف راجع ہیں، ظاہراً ان بزرگوں کا اتفاق کسی وجہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ فقیر کے نزدیک حضرت علی اس اُمت کے نہایت دانا اور صاحبِ سر انسان تھے، مقام ولایت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے، اس ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے تمام سلاسل کی نسبت آپ کی طرف کی جانے لگے[15]

شاہ ولی اللہؒ مزید کہتے ہیں

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

یہ فقیر جب مشائخ صوفیاء کی ارواح کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے ان کی توجہ اور ان کے اثرات کو مختلف صورتوں میں اپنے اندر منعکس پایا۔ اس توجہ کے اثرات میں سے ایک اثر یہ تھا کہ اس سے طبیعت کی بہیمی قوتیں یکسر ملکی رنگ میں اس طرح رنگی گئیں، گویا کہ بہیمی و شہوانی طاقتیں ہیں ہی نہیں۔[16]

کیا چار پانچ سو سال گذرنے کے بعد بزرگوں کے ارواح سے نسبت حاصل کی جاسکتی ہے؟ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

اتنا عرصہ گذرنے کے بعد یہ طبعی قوتیں بے اثر ہو جاتی ہیں اور اس دوران میں ان نفوس کے نسمہ یعنی روح ہوائی کے اجزاء منتشر ہو جاتے ہیں، اس توجہ کرنے والے کی روح پر ایک رنگ کا فیضان ہوتا ہے، اس فیضان کی مثال ایسی ہے جیسے آفتاب کسی مرطوب چیز پر اپنی شعائیں ڈالے، اسی کی گرمی سے یہ رطوبت تحلیل ہو جائے اور اس مرطوب چیز سے پانی کے قطرات ٹپکنے لگ جائیں یا اس کی مثال یوں ہے کہ توجہ کرنے والے کی روح ایک حوض کے مشابہ ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہے اور آفتاب کی روشنی نے ہر طرف سے اس کا احاطہ کر لیا ہے، چنانچہ وہ حوض آفتاب کی شعاعوں سے اس طرح چمک اُٹھتا ہے گویا کہ وہ حوض خود سرتاپا ایک شعاع بن گیا ہے۔ ارواح مشائخ کی طرف توجہ کرنے والا مالک جب اس منزل میں پہنچتا ہے تو اس میں یاداشت یا توجہ بجانب غیب کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے اور یہ کیفیت اس شخص کی روح کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہے۔

اس سلسلے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو فطری طور پر ملائکہ مقربین سے جو کائنات کے مدّبر اور منتظم ہیں، خاص نسبت حاصل ہوتی ہے اور اسی نسبت کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے سامنے نفوسِ افلاک، ملأالاعلیٰ نیز اس تجلی حق کی طرف جو کہ شخص اکبر کے دل یعنی کائنات، پر قائم ہے، ایک کشادہ راہ کھل جاتی ہے اور وہاں سے ان کے نفوس پر کل علم کی صورت کا فیضان ہوتا ہے، چنانچہ کلی علم کی موجودگی میں انبیاء علیہم السلام کو تفصیلی علوم کی ضرورت نہیں رہتی، علمی صورت کا یہ فیضان انبیاء کے نفوس پر جس طریق سے ہوتا ہے، یہ طریق راہِ جذب اور راہ سلوک سے ایک الگ چیز ہے، لیکن اس کے باوجود جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے کلام کو وحدۃ الوجود پر محمول کرتے ہیں وہ نہ تو انبیاء علیہم السلام کی حقیقت کو پہچانتے ہیں نہ انہیں انبیاء علیہم السلام کے خصوصی مسلک کی کچھ خبر ہے[17]۔

(۴) نسبتِ یاداشت:

جن نسبتوں کا تعلق راہِ جذب سے ہے ان میں ایک نسبت یادداشت کی بھی ہے، جب ہم کسی چیز کا علم حاصل کرتے ہیں، خواہ وہ چیز مجرد قسم کی ہو، یا متحیز یا متحیز کے متعلقات میں سے، تو اس علم کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ اس چیز کی صورت ذہن میں منقش ہو جاتی ہے اور یہ ذہنی صورت آگے چل کر اس چیز کی اصل حقیقت کے انکشاف

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

کا ذریعہ بنتی ہے، اس کی مثال یوں ہے جیسے عینک پہن کر دیکھتے ہیں تو نظر اس چیز پر پڑتی ہے، جس کا دیکھنا مطلوب ہوتا ہے۔ عینک کا وجود تک ذہن سے غائب ہو جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہو جاتا ہے کہ پانی کے کنارے درخت کا عکس پانی میں پڑا ہوتا ہے، ایک آدمی ٹکٹکی لگا کر جب عکس ہی کو اصل خیال کر کے اور مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ بھی علم کی ایک شکل ہے۔

دراصل حصولِ علم کی ان دونوں اقسام کے بیان کرنے میں قدیم وجدید حکماء کی تعبیر میں فرق ہے، قدیم حکماء کا لکھنا ہے کہ جب نفس ناطقہ کسی چیز کا علم حاصل کرتا ہے تو اس وقت نفس ناطقہ اس چیز کے ساتھ جس کا اس نے علم حاصل کیا، متحد ہو جاتا ہے، جدید حکماء کا تصور یہ ہے کہ کسی چیز کو معلوم کرنے کے سلسلے میں ذہن میں اس چیز کی جو صورت بنتی ہے تو یہ صورتِ علمی بعینہٖ وہ اصل چیز ہوتی ہے جو معلوم ہوئی، پھر یہاں بھی دو صورتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔

(الف) شئے کی طرف ہماری پوری توجہ ملتفت ہو جائے اور اس شئے کی جو علمی صورت ہمارے ذہن میں پہلے سے موجود ہے، اس کی حیثیت عینک کی سی ہو جائے کہ ہماری نظر اس میں سے گزر کر شئے معلوم کا علم حاصل کرتی ہے۔

(ب) شئے معلوم کی بجائے اس شئے کی جو علمی صورت ذہن میں ہو اس کی طرف ہماری پوری توجہ ہو، اس دوران میں اگر اصل شئے کی طرف ہماری نظر جائے بھی تو محض ضمنی طور پر۔ اس طور پر حصولِ علم کے دونوں طریقوں میں خاص فرق نہیں، دوسری حالت کی اگر پوری نگہداشت رکھی جائے تو پہلی حالت بن جاتی ہے۔

جب تجلیٔ حق صورتوں اور اشکال کے رنگ میں ظہور پذیر ہو اور اس وقت انسان کے حواس نفسانی تقاضوں سے امن میں ہوں تو اس کی روح تجلی کی صورت کی طرف کلیۃً متوجہ ہو جاتی ہے اور یہ صورت اس کے لئے نصب العین کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے، یہ ضروری نہیں کہ انسان کو تجلی کی صورت کا مشاہدہ صرف خواب ہی میں ہو بلکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیداری کی حالت میں ہوتا ہے، جس کے حواس نفس کی خواہشات سے آزاد ہوتا ہے تو بیداری میں بھی تجلی نظر آنے لگ جاتی ہے، اس میں انسانی قوتِ تخیل اور قوتِ متوہمہ کو ضرور دخل ہے۔ ایک شخص کی شکل ذہن میں ہوتی ہے، یہ تصویر پہلے عام ہوتی ہے جو ہر شخص پر منطبق آتی ہے، جانچ پرکھ کے بعد موجود شخص اور ذہن میں محفوظ تصویر میں انطباق ہو جاتی ہے[18]۔

انسان کی قوتِ متخیلہ اگر مجرد معانی کو اشکال اور صورتوں کا لباس پہناتی ہے تو اس کی قوت متوہمہ متحیز اشیاء کو مجرد معانی میں بدل دیتی ہے، چنانچہ ذہن کا سلبی مفہومات کا ادراک اور افراد سے کلی اُمور کا استخراج کرنا یہ سب کچھ انسان کی قوتِ متوہمہ کی اعجوبہ کاریوں کا نتیجہ ہے۔

عارف مجذوب جب نسبت بے نشانی کی حقیقت سے واقف ہو چکتا ہے اور اس کے بعد جب کبھی وہ اس

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

نسبت کی طرف پوری دل جمعی سے متوجہ ہوتا ہے تو اس حالت میں اس کے تمام قُویٰ اور احساسات کلیۃً اس حقیقت کے تابع ہو جاتے ہیں، جو اس کے ذہن نے ادراک کی تھی یہاں عارف کی قوتِ متوہمہ میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے جو اجمالی طور پر ہوتا ہے، یہاں عارف کے خیال میں ایک صورت آموجود ہوتی ہے اور اسے عارف تجلیٔ حق سمجھتا ہے۔

اہلِ جذب کے نزدیک اس نسبت کے دو رُخ ہیں، ایک ظاہری، دوسرا باطنی، ظاہری رُخ سے مراد ایک ایسی کیفیت ہے جو انسان کے نسمہ میں جاگزیں ہو کر اس سے کلیۃً ملحق ہو جاتی ہے اور اسی نسبت کا باطنی رُخ بے نشانی محض ہے جس کا محض روحِ مجرد ہی ادراک کر سکتی ہے، لیکن وہ لوگ جن کو جذب کی توفیق نہیں ملتی وہ اس نسبت کو صرف اپنے نسمہ میں مؤثر اور غالب دیکھتے ہیں، اسلئے وہ اس مقام سے اُوپر اس نسبت کا کوئی اور وجود تسلیم ہی نہیں کرتے۔

نسبتِ یاد داشت کی خصوصیات:

جس شخص کو یہ نسبت حاصل ہو، وہ وجودِ علم کی استعداد رکھتا ہے، وجودِ علم کے معنی یہ ہیں کہ عارف جب مرتبۂ بے نشانی کی طرف متوجہ ہو، تو اس میں نہ تو گرد و پیش کی اشیاء کا کچھ ادراک باقی رہے نہ اِدھر اُدھر کے خیالات اس کے ذہن میں داخل ہوں۔

اس نسبت کی وجہ سے سالک پر ایسی قوی اور مضبوط تاثیر حاوی ہو جاتی ہے کہ وہ ایک نگاہ یا معمولی سی توجہ سے وجودِ علم کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور حواس کی تشویشات سے اسے کلی نجات مل جاتی ہے، اسی نسبت سے سالک کی ہمت میں تیزی اور حدت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ اس کی قوتِ عزم شخص اکبر تک جا پہنچتی ہے، کم ہمتوں کو ہمت بندھنا، امراض کو دور کرنا اور اس طرح کے دوسرے تصرّفات، کشف و اشراف کے ذریعہ دوسروں کے دِلوں کے احوال معلوم کرنا اس نسبت کا ثمرہ ہے۔

(۵) نسبتِ توحید:

زید، عمرو، بکر تینوں انسانیت میں مشترک ہیں مگر ان تینوں میں باہمی طور پر انفرادیت بھی پائی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک شئ بیک وقت دوسرے کی عین بھی ہے اور اس سے مختلف بھی، عقلی لحاظ سے یہ امر بدرجہ باغلط ہے تاہم یہ واضح ہے کہ کل انسانیت میں بحیثیت مجموعی اور افراد میں جدا جدا خصوصیات پائے جاتے ہیں اس متنوع نسبت کو مظہریت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، پانی کے قطرے کو جس طرح ہائیڈروجن اور آکسیجن میں بآسانی تحلیل کیا جاسکتا ہے حالانکہ گیس اور مائع الگ الگ حیثیات رکھتے ہیں تاہم مادہ کی شکلیں بھی ایک چیز کا متنوع اشکال میں ظاہر ہونا، شاہ صاحب کی نظر میں نسبتِ ظہور کہلاتا ہے، کہ ایک چیز ایک جگہ ایک شکل میں قائم ہے وہی چیز دوسری جگہ ایک اور جامہ پہن لیتی ہے۔ علماء کے نزدیک فرد (شخص) کے اُوپر نوع انسان ہے، اس کے اُوپر جنس ہے جس میں حیوان بھی شامل ہے، جس سے آگے جنس عالی کا مرتبہ ہے، جس میں نباتات بھی شامل ہیں، اس سے اُوپر

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

عرض اور عرض سے اُوپر جوہر ہے، عرض وجوہر کے اُوپر "حقیقت وحدانیت" ہے جو سب اشیاء پر محیط ہے اور حقیقتِ جامع ہے، سوال یہ ہے کہ یہ حقیقتِ جامع کیا ہے؟ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ یہ عین ذاتِ الٰہی ہے چنانچہ انہوں نے اس حقیقت کو لا بشرطِ شیء کے درجہ میں مانا، یہ ذاتِ بحت کی حیثیت میں ہے اور یہی چیز بشرطِ لا شیء احدیت کے درجہ میں ہے، یہی بشرطِ شیء واحدیت ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں:

ہمارے خیال میں ان لوگوں میں عقل و تدّبر کی کمی تھی کہ انہوں نے اس غلط بات پر یقین کر لیا۔ واقعۃً وجود جس فرشتے پر جاکر رُک گئی اور جنہوں نے اس کا نام ذاتِ بحت، احدیت اور واحدیت رکھا، وہ مرتبہ تو ظاہر الوجود کا تھا، جس کو ہم نفس کلیہ کہتے ہیں۔ یہ وجودِ بسیط بھی کہلاتا ہے یہ تو اصل وجود میں عمومی چیز ہے، بے شک ہر شئ میں جاری وساری ہے، کائنات کا مبدا بھی ہے، مگر ذاتِ الٰہی تو ہر قسم کے آلائشوں سے منزّہ ہے۔

مسئلہ کی نوعیت کو بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

> اس سلسلہ میں فقیر کو بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ جن میں کثرت سے وحدت کی دید کا شوق موجزن ہے تو ان کی نظریں جس وحدت تک پہنچی ہیں، وہ نفسِ کلیہ کی وحدت کے سوا دوسری وحدت نہیں ہوتی لیکن جب چشمِ بصیرت ذاتِ الٰہی کو اپنا مطمح نظر بنائے، تو یہ توحید ذاتی کی کیفیت ہے، توحید ذاتی کے معنی یہ ہیں کہ ذات حق کو ہر نسبت اور ہر چیز سے الگ کر کے صرف حق میں دیکھا جائے، باقی ذاتِ الٰہی اور نفسِ کلیہ میں جو نسبت ہے، اسے اُمِ انسانیت کا نام دیا گیا ہے اور ان دونوں کے علامات کو باہمی طور پر قائم کرنا ایک طرح کی زیادتی ہے[19]۔

نفسِ کلیہ اور ذاتِ الٰہی میں جو نسبت ہے، سالک کو چاہے کہ اس نسبت کو اُس نسبت کے ساتھ جو افرادِ اشیاء اور نفسِ کلیہ کے درمیان ہے، خلط ملط نہ ہونے دیں، ورنہ اس کی حالت اس شخص کی سی ہو جائیگی جس نے سبز یا سُرخ شیشہ آنکھ پر لگالیا اور وہ ہر چیز کو سبز یا سُرخ دیکھنے لگا۔ سالک یہ غلطی اس وقت کرتا ہے جبکہ وہ صحیح معنوں میں فنافی الحال نہیں ہوتا، یقیناً اگر سالک نفسِ کلیہ کا مشاہدہ چشمِ حال سے کرتا ہے، تو لا محالہ اسے مظاہرِ کائنات میں اتحاد و وحدت نظر آئیگی اور ر اگر وہ ذاتِ الٰہی کو چشمِ حال سے دیکھتا ہے تو کائنات کا وجود اس کی نظر سے یکسر غائب ہو جاتا ہے، لیکن اگر وہ منظر شامل رکھتا ہے اور نفسِ کلیہ اور ر ذاتِ باری تعالیٰ دونوں کا مشاہدہ چشمِ حال سے کرتا ہے تو یہ وجود کے ایک مظہر کو دوسرے مظہر کے حکم سے خلط ملط نہیں ہونے دیتا۔ الغرض نفسِ کلیہ اور ذاتِ باری تعالیٰ ہر دو کو اپنے مشاہدے میں جمع کر لینا کاملین افراد کا مقام ہے۔

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

نوعِ انسانی میں بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن پر وجود کا حکم زیادہ مؤثر ہوتا ہے، یعنی ان کی طبیعت کا اقتضاء فطری طور پر کچھ ایسا ہوتا ہے کہ وہ کائنات کی تمام اشیاء کو اصلِ وجود میں فنا ہونے دیکھتے ہیں، وہ ہر چیز میں اس وجود کو جاری وساری دیکھتے ہیں اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ دنیا میں جو چیز بھی موجود ہے اس کے موجود ہونے کا تمام تر مدار اسی وجود پر ہے، ان کا یہ احساسِ علم کہ ایک ہی وجود سب مظاہر اور اشیاء میں جاری وساری ہے، ان کے تمام رجحانات پر ہمیشہ غالب رہتا ہے، یہاں تک کہ سالک کے ذہن میں ہر شئ میں وجودیت کا تصور راسخ ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ملکہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اس سالک کی مثال اس تالاب سے دیتے ہیں کہ وہ سیلاب کے پانی سے بھر گیا ہو لیکن اس میں زمین کے مسامات سے پانی نہیں پھوٹتا۔ سالک کا اس طرح وجود کو ایک ماننا توحیدِ علمی کہلاتا ہے اور علمِ وجود کی پہلی شکل ہے، جبکہ یہ علم سالک کے نسمہ سے پرُرے اس کے اندر جو نقطۂ وجود ہے، اسے بیدار کر رد یتا ہے، توحیدِ حالی کہلاتا ہے۔ شاہ صاحبؒ اس حوالہ سے تحریر کرتے ہیں:

فقیر (شاہ ولی اللہ) کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں کے لئے توحیدِ علمی نفع مند نہیں ہوتی بلکہ اس سے اُلٹا انہیں نقصان ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ بے کار کی دلیل بازی جسے سوفسطائیت کہتے ہیں، اس توحیدِ علمی سے پیدا ہوتی ہے، اس توحیدِ علمی کی وجہ سے لوگ شرعی اور عرفی احکام و مصالح میں تساہل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ باقی رہا توحیدِ حالی کا معاملہ سو توحیدِ حالی تو ایک بہت بڑا کمال ہے کہ زبان اس کے مطالب کو ادا کرنے سے قاصر ہے۔

(۶) نسبتِ عشق:

مؤمن جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے متعلق یہ یقین کرے کہ وہی ذات تمام اوصافِ کمال کی حامل ہے، وہ ہمیشہ اس مبارک نام کا ذکر کرتا رہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد رکھے، حق تعالیٰ کا ذکر کرتے کرتے آخر کار نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ جب بھی مؤمن کی زبان پر اللہ تعالیٰ کا مبارک نام آتا ہے، تو اس پر اس طرح کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے گویا کہ ابھی روح اس کے بدن سے نکلی، چنانچہ جب یہ کیفیت مؤمن کے نفس میں متمکن ہو جائے اور اس کا نفس اس کیفیت کے رنگ میں یکسر رنگا جائے، تو اس کیفیت کو نسبتِ عشق کہتے ہیں[20]۔

عارفین کے ہاں عشق کی دو قسمیں ہیں ایک عشق کا ظاہر اور دوسرا عشق کا باطن، نسبتِ عشق کا ظاہر تو یہ ہے کہ جس طرح نفس کی اور کیفیتیں انسان کے نسمہ میں اپنی جگہ بنالیتی ہیں، اس طرح نسبتِ عشق بھی اس نسمہ میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔ نسبتِ عشق کا باطن اس محبتِ ذاتی سے عبارت ہے جس کا حامل انسان کا نفس مجرد ہوتا ہے، بلکہ یہ محبت تو انسان کے اندر روح کے وجود میں آنے سے پہلے ہی پیدا ہو گئی ہوتی ہے۔

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

تصوف میں تجرد اور ترکِ اہل وعیال کا پہلو نسبتِ عشق سے درآیا ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ استقامتِ عقل کے ہوتے ہوئے کسی شخص کا دنیا کو ترک کر دینا، اسے تجرد اختیار کر لینا اور اہل وعیال کی فکر سے درگزر کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ نسبتِ عشق کی کیفیت اس شخص کے نسمہ میں مؤثر نہ ہو، جس شخص کو یہ نسبت حاصل ہو جاتی ہے، وہ تمام ماسوی اللہ پر پورا قابو پالیتا ہے، عاشق کی شان یہی ہے کہ جو بھی اسے ملتا ہے، نہایت عجز و فروتنی سے پیش آتا ہے۔

(۸) نسبتِ وجد:

نفسِ ناطقہ اپنی فطرت میں کچھ اس طرح واقع ہوا ہے کہ جو حالات اس پر گزرتے ہیں، یہ ان حالات کا رنگ قبول کر لیتا ہے، مثلاً محبت و نفرت، غصہ و رضامندی اور خوف و طمانیت کی کیفیات وغیرہ، ان میں سے بعض کیفیات تو پاک اور مَلَکی ہیں اور بعض ناپاک و بہیمی و حیوانی ہیں، جب ان میں سے کوئی کیفیت نفسِ ناطقہ پر مؤثر ہوتی ہے تو اس سے دوسری کیفیت جو اس کی ضِد ہو نفسِ ناطقہ سے از خود زائل ہو جاتی ہے۔

انسان کی یہ نفسی کیفیات مختلف حالات کا نتیجہ ہوتے ہیں اور ان حالات کے اپنے اسباب ہوتے ہیں، جب سالک ان حالات پر دسترس حاصل کرے جو مَلَکی حالات کو پیدا کر لیتے ہیں اور اُن کو تقویت بخشتے ہیں تو لا محالہ اس کے نفسِ ناطقہ میں اس قبیل کی کیفیات کی استعداد بھی پیدا ہو جاتی ہے، اس ضمن میں اس کا نفسِ ناطقہ اس قدر حساس ہوتا ہے کہ ذرہ سی تحریک جسے عُرفِ عام میں ہیچ سمجھا جاتا ہے، غیر معمولی تاثیر پیدا کر دیتی ہے۔

جس شخص کا نفسِ ناطقہ مَلَکی اور رر الٰہی اثرات قبول کرنے میں ایسا ہی حساس ہو، اس کے لئے ادنیٰ محرک بھی بڑی تاثیر رکھتا ہے، لیکن جو شخص کُند ذہن اور جامد طبیعت کا ہو، اس کے نفسِ ناطقہ میں کسی ایسی بے حد لطیف کیفیت کا پیدا ہونا مشکل ہوتا ہے۔

نفسِ ناطقہ میں لطیف کیفیات پیدا کرنے کے لئے کُند ذہن اورر جامد طبیعت والے کو سماع کی بھی ضرورت پڑتی ہے، کیونکہ اس میں وہی تاثیر ہوتی ہے جو شراب میں مستی و بے خودی کی ہوتی ہے۔ یہ تمام اُمور خواہ عشق ہے یا سماع ذہن میں جمود ختم کرنے کے ذرائع ہیں۔

نفسِ ناطقہ کو متاثر کرنے کا جو طریقہ شارع علیہ السلام نے تجویز فرمایا وہ یہ ہے کہ آدمی وعظ سنے، قرآن حکیم کی تلاوت کرے، کلام اللہ کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کرے، دورانِ تلاوت جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت کا ذکر ہے، وہاں مؤمن رحمت کا مطالبہ کرے، جہاں عذابِ الٰہی کا ذکر ہے، وہاں اس کے عذاب سے پناہ مانگے اور جن آیات میں صفاتِ الٰہی کا بیان ہے ان کی تلاوت کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرے، اس کے

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

علاوہ رِقت پیدا کرنے والی احادیث وحکایات کو پڑھے اور ان کے مطالب کو اپنے ذہن میں بار بار دہرائے، اسی طرح بغور لطیف مضامین سننے سے بھی انسان وجد میں آجاتا ہے۔

اہلِ کمال کے نزدیک نسبتِ وجد کے دو پہلو ہیں ایک ظاہر اور دوسرا باطن۔ ظاہر سے مراد وجد کی کیفیات کا صرف نسمہ میں جاگزیں ہونا ہے اور اس کے باطن کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا لطیفۂ مجردہ یعنی اس کی روح ایک معرفت کے بعد دوسری معرفت حاصل کرے اور خدا تعالیٰ کے ایک اسم میں فنا ہونے کے بعد وہ اس کے دوسرے اسم میں فنا ہو، نقشبندیہ سلسلے میں اسے قبض وبسط کہتے ہیں، جن اشخاص کو یہ نسبت حاصل ہوتی ہے، ان پر ایسے عجیب حالات طاری رہتے ہیں کہ خارج از بیان ہیں۔

(۸) نسبتِ طریقہ ولی اللّٰہی:

شاہ ولی اللہؒ کا جس طرح تمام سلاسل سے ارتباط تھا اور آپ کو ان سلاسل سے نسبتِ خرقہ وبیعت حاصل تھی، یوں آپ تمام نسبتوں کے جامع تھے، آپ نے تصوف کا جو طریقہ وضع کیا، اس کی نسبت میں سب نسبتوں کی جامعیت پائی جاتی ہے۔ خود شاہ صاحبؒ کا بیان اس حوالہ سے ملاحظہ ہوں، تو تبصرہ کرنا ممکن ہو سکے گا۔

شاہ صاحب کا بیان ہے:

جب فقیر نے جذب کی راہ طے کرلی تو ان کے سامنے ان تمام اکابر کی طرف ایک کشادہ راستہ کھل گیا اور اس نے اُوپر بیان کردہ نسبتیں بطریقِ ذوق ووجدان اور بواسطۂ بحث ونظر معلوم کیں اور ان میں خوب تحقیق بھی کی، چنانچہ اس فقیر کو جو نسبت عطا کی گئی ہے وہ انہی مختلف نسبتوں سے مرکب ہے، اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب میں خود اپنے آپ میں ہوتا ہوں، تو مجھ پر ایک ایسی اجمالی صورت ظاہر ہوتی ہے جو انہی ساتوں نسبتوں کا خلاصہ ہے، جب میں اپنے آپ کو ان نسبتوں میں سے کسی ایک نسبت کے سپرد کر دیتا ہوں اور اس کی طرف پوری طرح اپنے دل کو متوجہ کرتا ہوں تو مجھے خاص اس نسبت میں استغراق حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان دو حالتوں میں سے جہاں تک پہلی حالت کا تعلق ہے اس میں مجھ پر ان سات نسبتوں میں سے ہر نسبت کے آثار اجمالی طور پر اور ایک دوسرے سے مِلے جُلے ظاہر ہوتے ہیں اور دوسری حالت میں جب کہ میں صرف ایک نسبت کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تو خاص اس نسبت کے آثار بڑی تفصیل سے اور علیحدہ علیحدہ حیثیت میں مجھ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ بہر حال ان تمام نسبتوں میں اور خاص طور پر ان میں اجمالی لحاظ سے مجھے بڑا رسوخ اور ثُبات عطا کیا گیا ہے۔

شعر

وَلَوْ اَنَّ لِیْ فِیْ کُلِّ مُنبِتِ شَعْرَۃٍ لساناً
لَمَا اسْتَوْفَیْتُ وَاجِبَ حَمْدِہٖ

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

اب اگر کوئی شخص ہماری نسبت کا طالب ہے تو سب سے پہلے اسے یہ کرنا چاہئے کہ وہ راہِ جذب کو تا آخر تمام کرے، لیکن یہ چیز غالباً کسی مجذوب کے فیضِ تربیت کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے سالک کو چاہئے کہ وہ کسی مجذوب کے زیرِ عاطفت اس کی پُر تاثیر شخصیت کی مدد سے اس مرحلے کو طے کرے۔ یاد رہے کہ اس معاملے کا تعلق تعلیم و تعلم اور گفت و شنید سے زیادہ نہیں۔ جب سالک راہِ جذب کو تمام کرلے تو پھر مذکورہ ساتوں نسبتوں میں ایک ایک علیحدہ علیحدہ حاصل کرے اور ہر ایک سے فرداً فرداً ربط پیدا کرے۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد جب وہ مراقبے میں جائے تو سب سے پہلے طہارت، سکینہ اور اویسیہ نسبتوں کی طرف متوجہ ہو۔ جب ان کی چشمِ بصیرت ان نسبتوں کو دیکھنے لگے تو ساتوں نسبتوں کو جاننے اور ان کے رنگ میں رنگے جانے کے مجاہدوں کے بعد ایک قدم اور آگے بڑھے اور نسبتِ یاد داشت کو اپنا مطمحِ نظر بنائے اور کوشش کرے کہ اس کا اپنا نقطۂ وجود یعنی وہ اصلِ حقیقت جس سے خود اس کی ذات عبارت ہے یا دوسرے لفظوں میں اس کا ''انا'' ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف جو تمام وجودوں کا سرچشمہ یعنی وجودِ خالص ہے، متوجہ ہو اور اس امر میں وہ پوری طرح کوشاں رہے، یہی لُب لُباب ہے توحید کا اور یہی عشق کا مقصود ہے۔ جب سالک تکمیل کی یہ منزل طے کرے گا تو لا محالہ اس کے اندر حقیقتِ وجد بروئے کار آئے گی، کیونکہ اس نسبت کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔

حاصلِ بحث یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ کی نسبتیں سب گہری ہیں، عام صوفیاء کے مقابلہ میں یہ بات امتیازی وصف کے طور پر سامنے آئی ہے کہ وہ تمام سلاسل کے عملی مظاہر کے لحاظ سے جامع تھے، اس حوالہ سے وہ خود بھی نقل کرتے ہیں اور دوسرے بھی بیان کرتے ہیں۔ روحانی اعتبار سے آپ کے رسوخ کا نتیجہ ہے کہ ایک دنیا آپ سے حینِ حیات مستفیض ہوتی رہی اور بعد میں بھی ایک اُمت آپؒ کے روحانی فیوضات سے متمتع ہوتی رہی اور ہوتی رہے گی۔

آپؒ نے جس طرح شریعت کے دوسرے اُمور میں عملِ تجدید کیا، اسی طرح تصوف کے میدان میں بھی آپؒ نے راہِ اعتدال متعارف کیا۔ یہ وہ طریقہ برحق ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپؒ کے دل پر بذریعۂ الہام القاء کیا اور حضور ﷺ سے آپؒ کو بذریعۂ کشف معلوم ہوا۔

خود شاہ ولی اللہؒ رقمطراز ہیں:

أمّا اَنَا فَالْهَمَنِیَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اِنِّیْ اُعْطِیْكَ طَرِیْقًا مِنَ السُّلُوْكِ هُوَ اَقْرَبُ الطَّرْق وَاَوْثَقَهَا

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کے اس طریقے کو مرزا مظہر جانِ جاناںؒ نے بطورِ پیشن گوئی بھی ذکر کیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپؒ کے طریقے کو افراط و تفریط سے مبرا قرار دیا، مولانا سندھی کا بیان ہے:

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

شاہ عبد العزیزؒ نے خواب میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا، امیر المؤمنین نے انہیں یقین دلایا کہ عام طور پر فقہاء اور صوفیاء کے مروجہ طریقے افراط و تفریط سے خالی نہیں، لیکن قرونِ اولیٰ کے مطابق وہی اقرب طریقہ ہے جس کی دعوت امام ولی اللہؒ دیتے ہیں۔

اس کارِ مشکل کیلئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فائز کیا، اس لئے پیدائشی طور پر آپؒ غیر معمولی ذہن و ذکاوت کے مالک تھے، ظاہری مروّجہ علوم کی تکمیل آپؒ نے پندرہ سال کی عمر میں کرلی تھی، باطنی علوم کے فیضان اور تحقیق کے لئے بھی ان کا وہ بلند مقام اور مرتبہ تھا کہ آنے والے دور کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو "خلعتِ فاتحیت" کا لباس پہنایا۔ شاہ صاحب نے ہر پرانے فرسودہ نظام کو اپنے انقلابی عمل سے توڑنے کا اعلان کیا اور اس میں وہ سرخرو ہوئے۔

شاہ صاحب نے تصوف کو نئے خطوط پر استوار کیا، تصوف کے میدان میں شامل بدعات و خارجی امور کو آپ نے یکسر ترک کر دینے کا فیصلہ کیا۔ شاہ صاحب کی تعلیمات کا بڑا حصہ تصوفانہ روح لئے ہوئے ہیں، آپ کی کتب میں یہی روح ایک بنیادی عنصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لئے کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ کا جو سلسلہ شروع فرمایا، اس میں رجال اللہ کاملین انبیاء علیہم السلام ہیں۔ بقولِ شاہ صاحب تکمیل دین اور سلسلۂ نبوت کے انقطاع کے بعد یہ پہلو "محدثین" نے سنبھالا ہے، جو روحانی طور پر نہایت کمال پر پہنچے ہوئے شخصیات ہوتے ہیں اور انسانوں کی روحانی بالیدگی کا وہ سامان ہوتے ہیں۔ ان کی نظر میں شاہ صاحب نے قرآن و سنت کے رموز و اَسرار کو بیان کرنے میں جس بالغ نظری کا مظاہرہ کیا وہاں آپ نے یہ بھی بتایا کہ شارع علیہ السلام نے اس موقع کے لئے کیا احکام بیان فرمائیں۔

المختصر اس باب میں شاہ ولی اللہ اور ان کی نظر میں تصوف سے متعلق نسبتوں کی بحث کا احصاء کر دیا گیا۔ انسان کی اندرونی نفسی اصلاح کے نتیجہ میں انسانی خودی کیسے تشکیل پاتی ہے۔ در اصل انسانی خودی کی تکمیل میں مقصدِ خلق کا راز مضمر ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1. دہلوی، شاہ ولی اللہؒ "ہمعات"، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدر آباد طبع ۱۹۹۲ء باب دوم، ص ۳۴
2. ایضاً
3. ایضاً
4. امالی عبیدیہ مرتب شیخ بشیر احمد، لدھیانوی، رتن پبلشرز، اسلام آباد، ستمبر ۲۰۰۶، سطعہ ۳۶، ص ۱۷۔

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1002018

5. ایضاً

6. حظیرۃ القدس شاہ ولی اللہ کی مخصوص اصطلاح ہے، اس کا م انگریزی زبان میں معنی sanctorrum permagnum سے کیا جاسکتا ہے، یہ نوع انسانی کی ارواح کا مجمع گاہ ہے، اسے شرع میں رفیقِ اعلیٰ، ندیٰ یا ملا اعلیٰ کہا جاتا ہے، جیسے ملاء سافل ہے، ایسے ہی ملاء اعلیٰ: حظیرۃ القدس سے اُنس و تعلق ہی تصوّف کی معراج ہے۔ شاہ ولی اللہ نے تصوّف کو بیرونی آلائش سے با الکل صاف کیا، اصلاِح نفس کے حوالہ سے انسانی تربیت کا وہ منضبط نظام متعارف کر چکے ہیں اور اُن کی چھ کتابیں موضوع پر وقیع کاوشیں ہیں۔ مثلا القول الجمیل میں، سالک کے تصوّفانہ نصاب سے متعلق آداب وآذکار کا احاطہ کیا گیا ہے۔ حظیرۃ القدس

7. ایضاً

8. ایضاً

9. ایضاً

10. ایضاً

11. دہلوی، شاہ ولی اللہ، ''الانتباہ فی سلاسل اولیاءِ اللہ''، مطبوعہ احمدی، دہلی، ۱۳۱۱ھ ص۸۔

12. دہلوی شاولی اللہ ''التفہیمات الالٰہیہ، الجزء الاول''ص٦۔

13. دہلوی شاولی اللہ ''التفہیمات الالٰہیہ، الجزء الاول''ص٦۔

14. سندھی، مولانا عبید اللہ ''شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک''سندھ ساگر اکیڈیمی، لاہور ۲۵۹۱ء، ص۹۵۔

15. ایضاً

16. ایضاً

17. ایضاً

18. دہلوی شاولی اللہ ''التفہیمات الالٰہیہ، الجزء الاول''ص٦۔

19. ایضاً

20. ایضاً

@ 2017 by the author, Licensee University of Chitral, Journal of Religious Studies. This article is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY)
(http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/).